نظر کر کے حسن اس کا غش کر گیا — تعشق کے عالم میں بس مر گیا
یہ سمجھا بناوٹ کا کچھ بھیس ہے — لگا کہنے جوگی جی آدیش ہے
بڑا اتم یہ ایسا کہو کیا بجوگ — لیا واسطے کس کے تم نے یہ جوگ
کدھر سے تم آئے کہاں جاؤ گے — دیا اپنی ہم پر بھی فرماؤ گے
وہ سمجھی کہ اس کا دل آیا ادھر — کہ دل بھی تو رکھتا ہے دل کی خبر
خس و خار ہے عشق حسن آگ ہے — سدا عشق اور حسن میں لاگ ہے
ولے راگ ہے اور ان میں ہوا — کہ دونوں طرف آگ دے ہے لگا
کہا ہنس کے جوگن نے ہر بول ہر — جہاں سے تو آیا چلا جا ادھر
کہا تب پری زاد نے واہ جی — بہت گرم ہیں آپ اللہ جی
نہ روکھی ہو اتنا بھلا جاؤں گا — ذرا بین سنکر چلا جاؤں گا
کہا ہوتے سوتے سے اپنے کہو — فقیروں کو چھیڑو نہ بیٹھے رہو
یہ دو دو لطیفے جو باہم ہوئے — اسی لطف میں یہ تو بیدم ہوئے
گیا بیٹھ آ سامنے ریت میں — رہا کھیت یہ تو اسی کھیت میں
نظر حسن پر گاہ گہ بین پر — سراپا دل اس لعبت چین پر
رہا تن بدن کا نہ کچھ اس کو ہوش — بنا گل وہ جوں نقش پا چشم و گوش
وہ جوگن جو تھی درد و غم کی اسیر — ہوا غم میں جوگن کے یہ بھی فقیر

۱ سلام۔ حکم ۱۲ ۲ مصیبت۔ جدائی ۱۲ ۳ دیا۔ رحم کر یا۔ مہربانی ۱۲ ۴ ہر بول ہر یعنی خدا خدا کر ۱۲ ۵ گرم۔ مراد تیز طرار ۱۲ ۶ ہوتے سوتے کو کہنا عزیزوں کے حق میں برا کہنا ۱۲ ۷ نہ روکھی ہو۔ یعنی بدخلقی نہ کرد ۱۲۔ آسی



نہ سدھ گھر کی لی اور نہ لی راہ کی — جب آئی ذرا سدھ تو پھر آہ کی
بجاتی رہی بین وہ صبح تک — یہ رویا کیا سامنے بیدھڑک
ادھر تان پر بین کی تھی بہار — بندھا تھا ادھر اس کے رونے کا تار
دھری اپنے کاندھے پہ جب اس نے بین — اٹھی لے کے انگڑائی زہرہ جبین
پری زاد نے تب پکڑ اس کا ہاتھ — شتابی بٹھا تخت پر اپنے ساتھ
زمیں سے اڑا آسماں کے تئیں — وہ کتنا کہا کی نہیں رے نہیں
نہ مانا اور اس نے اڑایا اسے — پرستان میں لا کر بٹھایا اسے
یہ مژدہ گیا باپ پاس اپنے لے — کہا عرض رکھتا ہوں میں آپ سے
یہ جوگی جو ہیں ایک صاحب کمال — ذرا بین سنیے اور ان کے خیال
بہت آپ ان سے اٹھائیں گے حظ — بہت بین سن ان کی پائیں گے حظ
کہا اس نے بابا بہت خوب ہے — ہمیشہ سے راگ اپنا مرغوب ہے
کہا آؤ جوگی جی بیٹھو ادھر — کرو روشن اپنے قدم سے یہ گھر
کھلے بخت بیٹے کے اور باپ کے — سروں پر ہمارے قدم آپ کے
بہت اس کی تعظیم و تکریم کی — جگہ ایک پاکیزہ رہنے کو دی

## داستان فیروز شاہ کی مجلس آرائی اور جوگن کے بلانے میں

پلا مجھ کو ساقی محبت کا جام — کہ مہمانیوں میں ہوا دن تمام
یہ جوگن جو بیٹھی برہ گن ہوئی — کہ اتنے میں رات آئی جوگن ہوئی

۱ سدھ۔ خبر ہوش ۱۲۔ آسی ۲ فرقت زدہ ۱۲

بھبھوت اپنے منہ پر شتابی سے مل
رکھا اِندوے[1] کو سر کے شب آئی نکل

دکھاتی ہوئی سوزِ دل دور سے
اُڑاتی ہوئی ہلال کو نور سے

ستاروں کے مالے گلے بیچ ڈال
وہ پہونچی پرستان میں حال حال[2]

ہوئی شب کو وہ بزم انجم فروز
چھپا رشک سے اُس کے پردے میں روز

ملک نے پرستان میں مجلس بنا
بلایا اُسے جس کی تھی یہ ثنا

پریزاد سارے ہوئے جمع واں
کہ دیکھیں تو جوگن کا چل کر سماں

وہ جوگن جو سچ مچ تھی زہرہ جبیں
سو مجلس میں آئی لیے اپنی بین

بہت منتوں سے بلایا اُسے
بڑی عزتوں سے بٹھایا اُسے

کہا ہم ہیں مشتاق کچھ گائیے
سماں بین کا ہم کو دکھلائیے

کہا کچھ بجانا نہیں اپنا کام
ہر اک طرح لینا ہمیں ہر[3] کا نام

ہے بیزار فرمائشوں سے فقیر
ولے کیا کریں اب ہوئے ہیں اسیر

کہا جوگی صاحب یہ کیا بات ہے
کرم آپ کا ہم پہ دن رات ہے

جو مرضی ہو تو تم کو تکلیف دیں
نہیں جس میں راضی ہو تم سو کریں

کہا اس طرح سے جو فرماؤگے
تو ہاں بندگی ہی میں کچھ پاؤگے

یہ کہہ اُس نے اور بین کاندھے پہ دھر
یہاں تک بجائی کہ دیوار و در

کھڑے رہ گئے ہوش کھوئے ہوئے
نظر جو پڑے واں سو روئے ہوئے

گیا اہل مجلس کا جو دل پگھل
تو جوں شمع اشک آئے سب کے نکل

ہوئیں بین پر انگلیاں یوں دواں
ہاتھوں سے اُن کے ہوا دل رواں

۱؎ انڈوا۔ گول حلقہ جو جوگی سر پر رکھتے ہیں ۱۲ ۲؎ حال حال۔ جلد جلد ۱۲ ۳؎ خدا ۱۲ آسی



رواں و دواں کر دیا جان کو
رلایا ہر اک جن و انسان کو

ہوا حال پر اُس کا یہ کچھ تباہ
وہ عاشق جو تھا اُس پہ فیروز شاہ

کبھی سامنے آکے کرتا نظر
کبھی دیکھتا چھپ کے ایدھر اُدھر

ستوں کے کبھی اوٹ میں ہو کے وہ
کھڑا دیکھتا اُس کو رو رو کے وہ

کبھی ایدھر اُدھر سے پھر پھر کے آ
چھپے اُس کے مکھڑے کی لیتا بلا

وہ گو کچھ تھی سنتی نہ کہتی اُسے
کنکھیوں سے پر دیکھ رہتی اُسے

نظر اُس کی جب آن پڑتی اُدھر
تو یہ اور کی طرف کرتی نظر

اس آن و ادا پر وہ فیروز شاہ
دل و جان سے کرتا تھا ہر لحظہ آہ

اگر کوئی جوگن کی کرتا ثنا
تو کھا رشک کہتا کہ پھر تم کو کیا

غرض تھی یہ صحبت کہ میں کیا کہوں
یہی دل تھا اس کا کہ دیکھا کروں

بجی پہلی صحبت میں واں ایسی بین
کہ غش کر گئے وے جو تھے نکتہ چین

سراہا پریزاد کے باپ نے
کہا کی دیا جوگی جی آپ نے

اسی طرح ہر شب کرم کیجیے
مری بزم رشکِ ارم کیجیے

مقدم ہمارا رجھانا[1] کرو
ہمیں اپنا مشتاق جانا کرو

یہ گھر بار ہے آپ کا ہی تمام
ہوئے آج سے ہم تمہارے غلام

تکلف کو موقوف کر دیجیے
جو کچھ تم کو درکار ہو لیجیے

کہا اس نے مطلب نہیں کچھ ہمیں
تمہارا مبارک رہے گھر تمہیں

کہاں تم کہاں ہم ہوا یہ جو ساتھ
یہ تھی بات سب آب و دانہ کے ہاتھ

۱؎ رجھانا۔ متوجہ کرنا۔ لُبھانا ۱۲ آسی

یہ کہہ واں سے اُٹھی وہ جوگن اُدھر — دیا تھا جہاں اُس کے رہنے کو گھر

لگی رہنے اُس میں شب و روز وہ — سمجھ جی میں کچھ کچھ دل افروز وہ

کہا اپنے جی سے کہ سنتا ہے جی — نہ گھبرائیو اپنے دل میں کبھی

بہ بینم[۱] کہ تا کردگار جہاں — دریں آشکارا چہ دارد نہاں

غرض اُس طرح اُس کا معمول تھا — کہ اُس شاہ پریوں کی خدمت میں جا

پہر رات تک ہنستی اور بولتی — ہر اک بات میں قند تھی گھولتی

بجا بین سب کو رجھاتی تھی وہ — پہر کے بجے گھر میں آتی تھی وہ

ولے کیا کہوں حال فیروز شاہ — کہ تھی دن بدن اُس کی حالت تباہ

نہ دنیا کی اُس کو نہ دیں کی خبر — اُسی کے تصور میں شام و سحر

اُسی شمع کے گرد پھرنا اُسے — پتنگے کے مانند گرنا اُسے

بہانے سے ہر کام کے روز و شب — وہیں کاٹنی اُس کو اوقات سب

اسی طرح اوقات کھونا اُسے — سدا بین سن سن کے رونا اُسے

وہ جوگن بھی سو سو طرح کر ادا — ہر اک تان میں اُس کو لیتی لبھا

ولے کچھ بھی پاتی جو حسن طلب — تو عاشق پہ غصہ وہ کرتی غضب

کبھی خوش کیا اور کیا گہ اُداس — کبھی دور بیٹھی کبھی اُس کے پاس

کیا اُس نے پردے میں جب کچھ سوال — دوانہ کیا اُس کو باتوں میں ڈال

کبھی تیکھی نظروں سے گھائل کیا — کبھی میٹھی باتوں سے مائل کیا

کبھی ٹیڑھی باتوں سے مارا اسے — کبھی سیدھے دل سے پکارا اسے

۱ دیکھوں کہ جہاں کا مالک اس پردہ میں کیا بات چھپائے ہوئے ہے ۱۲-آسی



کبھی ہنس کے دکھا ذرا خوش کیا — کبھی ہو کے غمگین ناخوش کیا

کبھی منہ چھپایا دکھایا کبھی — کبھی مار ڈالا جلایا کبھی

لٹوں میں کبھی دل کو لٹکا دیا — کبھی ساتھ بالوں کے سٹکا[۱] دیا

وہ ہر چند آنکھیں دکھاتی رہی — پہ نظروں میں دل کو بھاتی رہی

بچارا پری زادہ وہ سادہ دل — ادائیں یہ انسان کی مستقل

اسی طرح مدت گئی جب اُسے — چڑھی گرمیٔ عشق کی تب اُسے

نہ منہ پر وہ عالم رہا اور نہ نور — کئی دن[۲] میں دل ہو گیا چور چور

جگر خوں ہوا آنکھوں سے آیا ابل — گیا دل سب اندر ہی اندر پگھل

یہ دی پردۂ دل سے جی نے صدا — کہ ہے صبر کی اپنے اب انتہا

جو کہنا ہے اُس سے تو کہہ حال دل — کہ اب تنگ ہے اپنا احوال دل

سنبھلنا ہے اب بھی تو ظالم سنبھل — نہیں کوئی دم میں چلا میں نکل

ملا کر تو اب دست افسوس کو — پڑا رہ لیے ننگ و ناموس کو

یہ سن جی کا پیغام مجبور ہو — کہا اپنے نزدیک گو دور ہو

بلا سے اگر آن[۳] رہتی نہیں — کہ اب بن کہے جان رہتی نہیں

غرض ایک دن بات یہ ٹھان کر — لگا گھات[۴] پر اپنی وہ آن کر

نہ تھا اُس گھڑی کوئی ایدھر اُدھر — اکیلی پڑی اُس کو جوگن نظر

اکیلی اُسے دیکھ ہو بے قرار — گرا پاؤں پر اُس کے بے اختیار

۱ سٹکنا - بھاگ جانا، سٹکانا متعدی ۱۲ ۲ مراد تھوڑی سی مدت ۱۲ ۳ آن - عزت آبرو - عہد - وضع ۱۲ ۴ گھات - داؤ - موقع ۱۲ - آسی -

گرا اس طرح سے قدم پر جو وہ
تو کہنے لگی مسکرا اُس کو وہ

کہ ہے آج یہ کیا خلافِ قیاس
گرا اتنا تو ہو کے کیوں بے حواس

کسی نے ترا دل ستایا کہیں
و یا جی کو تیرے لُبھایا کہیں

مرے بیٹھنے سے اذیت ہوئی
کہ مہمانیوں کی مصیبت ہوئی

فقیروں سے اتنا نہ ہو تو خفا
چلے ہم بھلا جا ترا ہو بھلا

اذیت مگر ہم سے پاتا ہے تو
کہ اب پاؤں پڑ پڑ اُٹھاتا ہے تو

لگا کہنے رو رو کے فیروز شاہ
کہ بس بس یہی تو کہو گی نہ واہ

تمھاری سمجھ نے تو مارا ہمیں
یہ باتیں نہیں اب گوارا ہمیں

ستائے ہوئے کو ستاتی ہو کیا
جلے دل کو ناحق جلاتی ہو کیا

ہوئیں تم نہ واقف مرے حال سے
فدا میں رہا جان اور مال سے

تم اپنا سا مجھ کو سمجھتے رہے
بھلا تم کو اب یاں کوئی کیا کہے

تم ایسی ہی بے رحم و بے درد ہو
غرض اپنے عالم میں تم فرد ہو

کہا اُس نے کہہ شتاب اپنا حال
کہ تو کیوں گرا سر کو پاؤں میں ڈال

کہا تب پریزاد نے میری جاں
کہاں تک کروں راز دل کا نہاں

بھلا ہجر میں کب تلک ہوں ملول
غلامی میں اپنی مجھے کر قبول

لگی ہنس کے کہنے کہ اک طور سے
جو میری کہانی سنے غور سے

مطالب اگر میرے بر لائے تو
تو شاید مراد اپنی بھی پائے تو

کہا اُس نے پھر جلد فرمائیے
جو کچھ آپ سے ہو بجا لائیے

کہا اُس نے یہ ہے مری داستاں
کہ شہر سراندیپ ہے اک مکاں



ملک ایک واں کا ہے مسعود شاہ
کہ بیٹی ہے ایک اُس کی مانند ماہ

جہاں میں ہے بدرِ منیر اُس کا نام
میں رہتی تھی خدمت میں اُس کی مدام

بنایا تھا اُس نے الگ ایک باغ
کہ فردوس کا تھا وہ چشم و چراغ

جدا باپ سے تھی وہ اُس جا مقیم
سدا سیر کرتی تھی بے خوف و بیم

میں نجم النسا اس کی دخترِ وزیر
ہمیشہ سے ہمراز تھی اور مُشیر

جدا ایک دم اُس سے ہوتی نہ تھی
سُلائے بغیر اُس کے سوتی نہ تھی

خوشی سے سروکار غم سے فراغ
برنگِ چمن رہتی تھی باغ باغ

کسی طرح کا غم نہ تھا دھیان میں
ترقی خوشی کی تھی ہر آن میں

ہوئی ایک دن یہ عجب واردات
کہ اک شخص وارد ہوا ایک رات

کہاں تک کہوں اُس کا قصہ ہے دور
نہ تھا آدمی نور کا تھا ظہور

گیا اُس پہ اُس شاہزادی کا دل
گئے کچھ دنوں میں وہ آپس میں مل

ولے عاشق اُس پر تھی کوئی پری
محبت میں تھی اس کی وہ بھی بھری

کہیں واں کے آنے کی سنکر خبر
خدا جانے پھینکا ہے اس کو کدھر

دیا قید میں اُس کو ڈالا کہیں
کہ مدت سے اس کی خبر کچھ نہیں

سو میں کھوج میں اُس کے جوگن ہوئی
یہاں تک تو پہونچی برہ‌گن[1] ہوئی

پریزاد آپس میں تم ایک ہو
اگر تم ذرا کھوج اس کا کرو

تو شاید مدد سے تمھاری ملے
تو پھر آرزو بھی ہماری ملے

دل آباد ہو جی کو آرام ہو
تمھارا بھی اس کام میں کام ہو

[1] بروگن - فراق زدہ ۱۲

کہا تب پریزاد نے ہاتھ لا
انگوٹھا دکھایا کہ اترا نہ جا[1]

کہا پھر یہی کچھ نہیں مہ جبیں
لگی ہنس کے کہنے نہیں رے نہیں

یہ سن قوم کو اپنی اُس نے بلا
تفقد سے سب کو بلا کر کہا

کہ جاؤ تو ڈھونڈھو کرو مت کمی
کہ ہے اک پرستاں میں قید آدمی

جو تم میں سے لاوے گا اُس کی خبر
جواہر کے دوں گا لگا اُس کے پر

یہ سن اپنے سردار کا سب کلام
تجسس میں پھرنے لگے صبح و شام

ہوا ایک کا ناگہاں واں گذر
جہاں قید میں تھا وہ خستہ جگر

وہ روتا جو تھا نالہ و آہ سے
تو کچھ اُس کو آئی صدا چاہ سے

کہا کچھ تو ملتا ہے یاں سے سراغ
کہ آتی ہے یاں بوے گلزار داغ

وہ چوکی کے جو دیو تھے جابجا
لگا پوچھنے کس کی ہے یہ صدا

کہا ماہ رخ کا ہے قیدی یہاں
کنویں میں تڑپتا ہے اک نوجواں

وہ تحقیق کر اور لے واں کا بھید
اُڑا شہر کو اپنے دیو سفید

کیا جا کے فیروز شہ کو سلام
سُن آیا جو کچھ تھا سنایا کلام

کہا میرا مجرا[2] ہے اب لائیے
جو دینا کہا ہے سو دلوائیے

جو معمول تھا واں کے انعام کا
جواہر کے اُس کو دیے پر لگا

## داستان پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ کے ماہرخ کو

یہ بھیجا پھر اس ماہرخ کو پیام
کہ کیوں زیست کرتی ہے اپنی حرام

[1] ٹھینگا دکھانا۔ بے ادائی جتانا۔ چڑھانا ۱۲ آسی [2] مجرا۔ ادب سے سلام کرنا ۱۲ آسی



بنی آدموں کو تو چوری سے لا
ٹھاتی ہے گھر میں تعشق جتا

ترے باپ کو گر لکھوں تیرا حال
تو کیا حال ہو تیرا پھر لے چھنال

عزیزا اپنی رکھتی نہیں جان کو
یہی ہے کہ پھونکوں پرستان کو

ترا رنگ غیرت سے اُڑتا نہیں
تجھے کیا پریزاد جُڑتا نہیں

ہمارا گئی بھول خوف و خطر
لگی رکھنے انسان پر تو نظر

بھلا چاہتی ہے تو اُس کو نکال
کنویں میں جسے تو نے رکھا ہے ڈال

اور اس کی قسم کھا کہ پھر گر کہیں
لیا نام اُس کا تو پھر تو نہیں

گیا ماہرخ کو یہ فرمان جب
ہوئی خوف سے وہ پریشان تب

کہا مجھ سے تقصیر اب تو ہوئی
کہو اُس کو لے جائے یاں سے کوئی

اگر اب میں لاگو ہوں اُس کی کبھی
تو پھر پھونک دیجو مجھے تم تبھی

پر اتنا یہ احسان مجھ پر کرو
کہ اس کا پرستان میں چرچا نہ ہو

مرے باپ کو تا نہ ہووے خبر
کہ پھر میں نہ ایدھر کی ہوں نے اُدھر

یہ سنکر جواب اُس کا فیروز شاہ
چلا اپنے گھر سے جہاں تھا وہ چاہ

سرِ چاہ پر جب وہ پہونچا شفیق
کہا اُن کو تھے وہ جو اُس کے رفیق

کہ یہ سنگ اُکھڑے یہاں سے ہلے
کسی طرح چھاتی سے پتھر ٹلے

کھڑے تھے جو دیو واں جوں پہاڑ
انھوں نے دیا اپنے سینے کو گاڑ

وہ پتھر جو تھا کوہ سا سنگ راہ[1]
دیا پھینک واں سے اُسے مثل کاہ

وہ بادل سا سرکا جو اُس چاہ سے
تو اک نور چمکا شب ماہ سے

[1] سنگ راہ۔ وہ چیز جس سے آمد و رفت میں رکاوٹ ہو ۱۲ آسی